قرآن فہمی مشکل ہے یا آسان؟

علامہ سید علی نقی

قرآن فہمی اور تفسیر کلام پاک کے بارے میں مختلف جماعتوں کے نقطہ نظر میں بڑا فرق ہے۔ ایک جماعت عقل انسانی کو اس کے معانی کے سمجھنے سے بالکل ہی قاصر سمجھتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن سمجھنے والے خاص افراد تھے جواب ہمارے سامنے موجود نہیں ہیں لہٰذا ہم صرف ان حضرات کے اقوال پر عمل پیرا ہوسکتے ہیں براہ راست قرآن سے ہم کسی حکم شرعی یا مسئلہ اعتقادی کو نہیں سمجھ سکتے ۔ یہ ہمارے یہاں کی اخباری جماعت ہے جس نے ادلہ احکام سے کتاب الٰہی کو بالکل خارج کردیا ہے اور اپنے عمل کا دارومدار صرف اخبار واحادیث پر رکھا ہے۔

دوسری طرف وہ جماعت ہے جو قرآن مجید کی ہدایات کو اپنے لیے کافی قرار دے کر سنت کو بالکل نظر انداز کرتا ہے ۔ یہ فرقہ مسلمانوں میں " اہل قرآن " کے نام سے موجود ہے جو اپنے تمام افعال وعبادات اور دیگر احکام شرعیہ کی بنیاد' قرآن مجید پر رکھنے کا دعویدار ہے ۔ یہ دونوں ہی مسلک افراط وتفریط کے کرشمے ہیں۔

قرآن کے لیے پہلے ہی پارے کے آغاز میں یہ اعلان موجود ہے کہ "**ھدی للمتقین**" (۱) "یہ رہنما پرہیزگاروں کے لئے ہے" دوسری جگہ کہا گیا ہے ۔" **ھدی للناس** " (۲) تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے اس سے ظاہر ہے کہ اس کا دائرہ بجائے خود تمام انسانوں کے لیے صدائے عام کی حیثیت رکھتا ہے۔ بیشک اس صدا پر آتے وہی ہیں جو متقین ہیں یعنی اندیشہ انجام اور فکر نجات رکھتے ہیں کہیں اس کو ضیاء (روشنی) کہیں ذکر (یاد آوری کا سامان) کہیں تبصرہ (آنکھیں کھولنے والا) کہیں **شفاء لما فی الصدور** (۳) (سینوں کے اندرونی امراض شک و شبہ اور کفرونفاق وغیرہ کا علاج) کہیں فرقان (حق و باطل میں جدائی ڈالنے والا) اور کہیں بیان (حقیتوں کا واضح کرنے والا) وغیرہ وغیرہ کہا گیا ہے جس سے

مجموعی طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یقیناً" وہ عام خلق خدا کو فائدہ پہنچانے کے لیے اتارا گیا ہے اور دنیا کو اس کے مندرجہ مضامین پر غور کرنے اس سے نتیجہ نکالنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت ہے وہ صرف بطور اوراق وادعیہ کے زبانوں سے تلاوت کر لینے اور بطور تعویذ ونقش کے گلے ڈال لینے اور بطور ایک محترم اور مقدس چیز کے سر آنکھوں پر رکھ لینے اور بوسہ دینے کے لیے نازل نہیں ہوا ہے 'بلکہ اس لئے آیا ہے کہ اس کے مطالب وحقائق سے فائدہ اٹھایا جائے 'اس میں غور وخوص کیا جائے ۔ نیز اس سے اپنی عملی زندگی کے لیے سبق حاصل کیے جائیں۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن مجید ایک خاموش رہنما ہے وہ تعلیم کی عملی تشریح نہیں کر سکتا اور پھر اس میں اکثر مضامین بطور اجمال بیان ہوئے ہیں ۔ لہٰذا قرآن کے ساتھ ناطق رہنما کی ضرورت ہے جو اس کی تعلیمات کو اپنے عمل سے دنیا کے ذہن نشیں کرے 'اس کے مجملات کی تفصیل سمجھائے اور اس کے مبہمات کی توضیح وتفصیل بیان کرے۔

یہ معلم اور ناطق رہنما اپنے زمانہ میں پیغمبرﷺ تھے اور اس کے لئے خود قرآن مجید نے حضرت کی پیروی کی دعوت دی ۔(قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ) (۴) اور (لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ (۵) اور اسی سے کتاب کے ساتھ سنت کا ماخذ احکام ہونا ظاہر ہے۔

پھر رسول اکرمﷺ نے اپنے بعد کے لیے خاص اہل بیت کو جو تعلیمات قرآنی کا مکمل نمونہ تھے قرآن کا ساتھی بتایا اور قیامت تک کے لیے ان دونوں کے ساتھ کا اعلان فرمایا۔

مابین فریقین حضرت رسول اکرمؐ کی یہ حدیث متفق علیہ ہے جس کا مشہور و معروف متن یہ ہے۔

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللّٰہ وعترتی اھلبیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی وانھما لن یفترقا حتّٰی یردا علی الحوض یوم القیٰمۃ

میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑتا ہوں اللہ کی کتاب اور میری عترت' جو میرے اہل بیت ہیں جب تک تم ان دونوں سے تمسک رکھوگے میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور یہ دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ دونوں وارد ہوں میرے پاس حوض کوثر پر قیامت کے روز۔ (۶)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسول کے بعد قرآن کے ساتھ رہنمائی میں اہل بیت کا مقام ہے۔

اس لیے قرآن مجید کی تعلیم پر صحیح عمل کے لیے جس طرح احادیث رسول ﷺ کو سامنے رکھنا ضروری ہے 'اسی طرح آپؐ کے ان جانشینوں کے ارشادات کو بھی جن کا حضرتؐ نے عترت اور اہل بیتؑ کی لفظوں کے ساتھ تعارف کرایا ہے' سامنے رکھنا ضروری ہے۔

حسبنا کتاب اللہ "ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے" کا نعرہ پہلے تو ہنگامی طور پر بلند ہوا حضرت رسول ﷺ کے آخری دور حیات میں جب حضورؐ کی علالت پوری شدت پر تھی اور آپؐ نے قلم ودوات اور کاغذ طلب فرمایا تاکہ اپنے بعد کے لئے جو ذریعہ ہدایت ہے 'اس کی تحریری دستاویز چھوڑ جائیں تو کسی سیاسی پیش بندی کے طور پر یہ جملہ کہہ کے حضرتؐ کو آپ کے منصوبے کی تکمیل سے باز رکھا گیا 'مگر اس کے بعد بطور مسلک اس پر کوئی عمل نہیں کیا گیا ورنہ حضرت فاطمہ زہراؑ کو میراث سے محروم کرنے کے لئے اپنی ہی روایت کردہ ایک حدیث کو سند قرار نہ دیا جاتا اور اسی طرح برابر پیش آمدہ مسائل شرعیہ میں رسولؐ کے ارشادات اور فیصلوں کی تلاش کی جاتی تھی اور ان کو حجت مانا جاتا تھا بلکہ لاشعوری طور پر سہی برابر اس "حسبنا" کے تصور کی رد ہوتی رہی ۔ احادیث رسول ﷺ سے بھی اور اقوال علماء سے بھی ۔ چنانچہ عبیداللہ بن رافع کی روایت ہے کہ حضرت پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا :

لا الفین احد کم متکیا علیٰ اریکۃ یاتیہ الامر من امری بما امرت بہ او نہیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدناہ فی کتاب اللہ

ایسا میں نہ دیکھوں کہ تم میں سے کوئی (اطمینان سے) گاؤ تکیہ سے لگا بیٹھا ہو اور میرا کوئی حکم اوامر یا نواہی کے قبیل سے اس کے سامنے آئے اور وہ کہے اسے نہیں جانتا ہم نے اسے کتاب الٰہی میں تو پایا نہیں ہے۔ (۷)

ایک جگہ یہ الفاظ ملتے ہیں کہ :۔

لا عرفن رجلا اتاہ الامر من امری ما امرت بہ اذ نہیت عنہ فیقول ما ھذا عندنا کتاب اللہ لیس ھذا فیہ۔

میں خوب جانتا ہوں ایسے شخص کو جس کے پاس میرا کوئی حکم اوامر یا نواہی میں سے پہنچے تو وہ کہے یہ کیا ہے ؟ ہمارے پاس کتاب خدا موجود ہے اس میں تو یہ نہیں ہے۔

(۸)

ایک روایت مقدام بن معدی کرب کندی کی ہے۔

ان رسول اللّٰہ صلعم قال یوشک الرجل متکیا علی اریکۃ یحدث بحدیث من حدیثی فیقول بیننا وبینکم کتاب اللّٰہ عزوجل فما وجدنا فیہ من حلال استحللناہ وما وجدنا فیہ من حرام حرمناہ الا وان ما حرم رسول اللّٰہ مثل ما حرم اللّٰہ عز وجل

جناب رسول خداﷺ کا ارشاد ہے کہ جلدی ایسا وقت آئے گا کہ ایک شخص گاؤ تکیہ سے لگا بیٹھا ہو گا اور اس کے سامنے میری حدیث پیش ہوگی وہ کہے گا کہ ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کن کتاب الٰہی ہے تو جو اس میں ہمیں حلال نظر آئے گا اسے ہم حلال سمجھیں گے اور جو اس میں حرام ملے گا اسے حرام سمجھیں گے۔ خبردار، آگاہ ہوکہ جسے رسولﷺ خدا نے حرام کیا وہ ویسا ہی ہے جیسے اللہ نے حرام کیا ہو۔ (۹)

کیا اس سے بڑھ کر حسبنا کتاب اللّٰہ کی کوئی رد ہوسکتی ہے جو حضرت پیغمبر خداﷺ نے فرمائی ہے اور اس کے بعد برابر صحابہ اور تابعین اور علمائے اسلام بلا تفریق فرقہ شعوری یا لاشعوری طور پر اس تصور کی رد کرتے رہے۔

کتاب " ادب الاملاء والاستملاء " ص ۴ میں مشہور صحابی رسولؐ جناب عمران بن حصینؓ کا قول درج ہے کہ احادیث کے ذکر پر ایک شخص نے کہہ دیا کہ ارے حدیث کا ذکر چھوڑو ہم سے کتاب الٰہی کی بات کرو تو اس پر انھوں نے فرمایا:۔

انک احمق اتجد فی کتاب اللّٰہ الصلوۃ اتجد فی کتاب اللّٰہ الصوم مفسرۃ فی القرآن حکم ذلک والسنۃ تفسر ذالک

تم بے وقوف ہو کیا کتاب الٰہی میں تمہیں نماز کی تفصیل ملتی ہے۔ کیا کتاب الٰہی میں روزہ کا تفصیلی بیان ملتا ہے ۔ یہ سب احکام قرآن نے بیان کیے ہیں اور تفصیلات سنت سے معلوم ہوتی ہیں۔

بلا تفریق فرقہ فقہ اسلامی یعنی علم شریعت کی تدوین اسی اصول پر ہوئی جو "حسبنا" کی باجماع امت عملی رد تھی اسے وضاحت کے ساتھ ملا محمد عبدالصمد پشاوری نے اپنی کتاب طلب الادب میں جو قاضی شوکانی کی کتاب ادب الطلب کی تلخیص ہے اور جسے ہندوستان کے مشہور عالم نواب صدیق حسن خان قنوجی نے اپنے اہتمام سے بھوپال میں چھپوایا ہے تحریر کیا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں

اذالم یتقن علم السنة ولم یعرف صحیحه من سقیمه ولم یعول علیٰ اہل هٰذا الفن فی اصداره وایراده کانت مصنفاته مبنیة علیٰ غیر اساس لان علم الفقه هوما خوذ سنة الا ماصرح بحکمة القراٰن الکریم وهو قلیل۔

جب کوئی شخص سنت کا علم کافی نہ رکھتا ہوگا اور احادیث میں درست و نادرست کا امتیاز نہ کرے گا اور اس فن کے ماہرین پر دلائل قائم کرنے اور نتیجہ نکالنے میں بھروسا نہ کرے گا تو اس کے تصانیف بے بنیاد ہوں گے 'اس لیے کہ علم فقہ کا ماخذ عموماً" سنت ہے 'سوائے ان امور کے جن کی صراحت قران مجید میں ہو گئی ہے اور وہ بہت کم ہیں۔ (۱۰)

ہندوستان کے متاخرین اہل قلم بھی بلا تفریق فرقہ اس نعرہ حسبنا کی چاہے لاشعوری طور پر ہو رد کرتے ہیں جن میں سے یہاں صرف مولاناابو الکلام کی ایک تحریر کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے وہ فرماتے ہیں۔

"انسانی سعادت کے لیے تعلیم محض بالکل بیکار ہے جب تک کہ اس تعلیم کے زندہ نمونے بھی انسانوں کے ساتھ نہ ہوں جو اثر طبیعت منفعل انسانیہ پر ایک انسانی نمونہ عمل کا پڑتا ہے وہ محض تعلیم کی سماعت سے نہیں پیدا کیا جاسکتا۔ اخلاق کی کتابیں اپنی موثر تعلیمات سے انسانوں کو رلا سکتی ہیں مگر ان کے دلوں کو نہیں پھیر سکتیں۔ عدالت کا قانون مجرم کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال سکتا ہے لیکن اس کو جرم سے باز نہیں رکھ سکتا حکماء کے حکیمانہ نصائح نیکوں کی بڑی بڑی تعریفیں اور بروں کی بڑی بڑی برائیاں بتلا سکتے ہیں لیکن کسی برے انسان کو نیک نہیں بناسکتے ۔"

" بڑھتا ہے اور ذوق گنہ یاں سزا کے بعد "

لیکن برخلاف اس کے اگر ایک پاک انسان اپنی زندگی کے اندر نیکی کا عملی نمونہ رکھتا اور اس کے اعمال حیات راستبازی کے لیے اسوہ کا حکم رکھتے ہوں تو وہ صرف اپنا نمونہ دکھلا کر نہ صرف افراد واشخاص کو بلکہ اقوام وامم کے اعمال کو یکسر پلٹ سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت خلق اللہ کے لیے صرف کتابوں اور شریعتوں ہی کو نہیں بھیجا بلکہ اس کے ساتھ انبیاء کرام کی سیرت کا عملی نمونہ بھی دکھلایا ۔ وہ جس دستورالعمل کی طرف قوم کو بلاتے تھے اس کا عملی پیکر خود ان کی پاک ومطہر زندگی

تھی۔ اگر شریعت بصورت قانون تختیوں اور کاغذوں پر منقوش تھی تو بصورت وجود حی وقائم ان کی زندگی کے اندر بھی پڑھی جا سکتی تھی اگر اس کی آیات بینات حروف واصوات کی شکل میں دنیا کو دعوت دیتی تھیں تو انبیاء کرام کی زندگی عمل وفعل کے اندر سے اس کی تصویر دکھلاتی تھی۔ اگر قانون کہتا تھا کہ انسان کو ایسا کرنا چاہیے تو حیات نبوت ثابت کرکے دکھلا دیتی تھی کہ اس طرح کیا گیا اور اس طرح کیا جاسکتا ہے۔ (۱۱)

یہی ضرورت تھی جس کے لیے بعد رسول ﷺ بھی ایسی ہستیوں کی ضرورت تھی جو قرآن کی تعلیم کا مکمل نمونہ اور اپنے قول وعمل سے اس کے شارح ومفسر ہوں۔ اسی ضرورت کی تکمیل پیغمبر ﷺ نے حدیث ثقلین سے فرمائی۔

حسبنا کتاب اللہ کا نعرہ جو ہم سے دور لگا تھا اور جس کی صدائے بازگشت "اہل قرآن" اور "طلوع اسلام" کی شکلوں میں بلند ہوئی جس پر سیر حاصل تبصرہ ہوچکا 'نجانے کس طرح ہمارے آس پاس اس کا ایک دھماکہ ہوگیا۔ بعض خودرو قسم کے دعویداران تحقیق کے قلم سے ان الفاظ میں کہ " قرآن آسان ہے ۔" بایں معنی کہ ہر شخص ترجمہ پڑھ کے قرآن سے مطلب نکال لے 'یہ اس کی ہدایت کے لیے کافی ہے۔ کوئی ضرورت نہیں کہ وہ تفاسیر کی طرف رجوع کرے اور اہل علم کی تشریح کا پابند ہو۔ اس کے دلائل حسب ذیل دیئے گئے ہیں:۔

پہلی دلیل قرن اول کے مسلمانوں نے قرآن پر عمل کرکے انتہائی ترقیاں حاصل کیں مگر اب مسلمان دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ اس کے معنی اور مطلب صحیح طور پر نہیں سمجھتے ہیں اور اس کی ذمہ داری علمائے مذہب پر ہے جنھوں نے عام لوگوں کو اپنے پھندے میں پھانسے رکھنے کے لیے عجیب وغریب معنی اور تفسیریں لکھنا شروع کیں' عجیب وغریب مسئلے گھڑے' ان مسئلوں کو قرآنی آیات سے مطابق کرنے کی کوشش میں قرآنی آیتوں کو وہ معنی پہنائے گئے جو کہ کسی صورت سے پیدا نہیں ہوسکتے تھے۔ لہٰذا یہ کہنا شروع کردیا کہ قرآن کے معنی اور مطلب کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ اس طرح سے اس گروہ نے مسلمانوں کو قرآن مجید سے دور رکھا' حالانکہ اگر اس کے معنی عوام نہیں سمجھ سکتے تھے تو لوگ اسلام کیسے لائے تھے۔ یاد رہے کہ رسولؐ کی رحلت کے ڈیڑھ سو سال بعد تک اسلام میں کوئی فرقہ نہ تھا۔ ہر فرقہ اپنے اصولوں کی سچ میں یا بادشاہت کی لاگ میں قرآن کی آیات کو اپنے مطلب کے معنی پہنانے لگا اور کچھ دن بعد وہ اس کا ایمان ہوگیا۔

دوسری دلیل کسی کتاب کی خوبی یہ ہے کہ وہ ایسی صاف اور آسان زبان میں ہو کہ پڑھنے والا

لکھنے والے کے مطلب کو سمجھ سکے اگر نہ سمجھ سکے تو لکھنے والا قصور وار ہے نہ کہ پڑھنے والا لہٰذا کسی کتاب کا مشکل زبان میں ہونا اس کا عیب ہے نہ کہ خوبی ۔ قرآن بلیغ ہے اور بلیغ وہی کلام ہے جس سے کہنے والے کا مقصد سننے والے کے ذہن میں صحیح طور سے پہنچے۔

تیسری دلیل ہم خود قرآن سے پوچھیں کہ وہ اس معاملہ میں کیا کہتا ہے ؟

قرآن میں یہ ہے کہ ہم قرآن کو ایسی کھلی اور صاف زبان میں بیان کرتے ہیں جس کو تم سمجھ سکو ،اگر اس کو ایسی زبان میں نازل کیا جاتا جس کو تم نہ سمجھ سکتے تو کوئی ایمان نہ لاتا۔ عربی کے معنی خود صاف اور کھلی ہوئی زبان کے ہیں۔

ولقد جئناهم بكتب فصلناه علىٰ علم هدًى ورحمة لقوم يومنون (۱۲)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے کتاب بھیجی ہے، وہ حکیم بھی ہے، واقف کار بھی اس نے ہر طرح سمجھ بوجھ کر کتاب کو تفصیل وار بیان کر دیا ہے۔

(۱) **حٰم ٥ تنزيل من الرحمٰن الرحيم ٥ كتاب فصلت اياته قرانًا عربيا لقوم يعلمون ٥ بشيرًا ونذيرًا فاعرض اكثرهم فهم لايسمعون ○ (۱۳)**

حم۔ یہ خدائے رحمان و رحیم کی تنزیل ہے۔ اس کتاب کی آیتیں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ یہ عربی زبان کا قرآن ہے اس قوم کے لیے جو سمجھنے والی ہو۔ یہ قرآن بشارت دینے والا اور عذاب الٰہی سے ڈرانے والا بنا کر نازل کیا گیا ہے لیکن اکثریت نے اس سے اعراض کیا ہے اور وہ کچھ سنتے ہی نہیں ہیں۔

(۲) **ولو جعلناه قرانًا اعجميًا لقالوا لولا فصلت اياته ء اعجمى وعربى: (۱۴)**

اور اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں نازل کر دیتے تو یہ کہتے کہ اس کی آیتیں واضح کیوں نہیں ہیں اور یہ عجمی کتاب اور عربی انسان کا ربط کیا ہے۔

ان آیتوں سے دو باتیں بالکل صاف ہوگئیں۔

(۱) قرآن عربی زبان میں اس قوم کے لیے جو عربی جانتی تھی یعنی جس کی مادری زبان عربی تھی، کھول کر بیان کردیا گیا ہے اور ایسی زبان میں قرآن نہیں ہے جس کو عرب نہ سمجھ سکتے تھے۔ اور

(۲) ایمان نہ لانے کی یہ وجہ نہیں تھی کہ لوگ سمجھتے نہ تھے بلکہ منہ پھیر کر چل دیتے تھے اور سنتے ہی نہ تھے یعنی صحیح طور سے متوجہ نہیں ہوتے تھے

ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر

ہم نے تو قرآن کی نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کردیا ہے ۔ تو ہے کوئی جو نصیحت حاصل کرے۔ (۱۵)

اس ایک آیت کو سورہ القمر کے اندر چار مرتبہ دہرایا گیا ہے۔ کیا اس سے زیادہ زوردار الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ قرآن آسان ہے۔

چوتھی دلیل: ہم خود قرآن کو پڑھیں اور دیکھیں کہ سمجھ میں آتا ہے یا نہیں ؟

قرآن کے لفظی معنی لیکچر کے ہیں۔ قرآن میں ۱۱۴ سورے ہیں۔ ہر سورہ بجائے خود ایک لیکچر ہے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ ان لیکچروں کے درمیان میں لوگوں نے سوالات کردیئے ہیں۔ ان کا جواب دے کر اصل مضمون کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔

موضوع قرآن حسب ذیل ہے :

(۱) خدا کی عبادت کرو (توحید)

(۲) ایک ایسے دن پر ایمان لاؤ جس دن اپنے کیے دھرے کا جواب دینا ہوگا۔ (یعنی قیامت)

(۳) ایک آدمی کو دوسرے آدمی کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہیے اور لڑائی کے وقت کیسا برتاؤ کرنا چاہیے اور لڑائی کیسی لڑنی چاہیے (یعنی معاشرتی واحکامات وغیرہ)

(۴) ذیل کے اعتراضات کو ملاحظہ فرمائیے۔ ان میں سے دو اعتراض حضرت محمدؐ پر ہیں اور دو قرآن کریم پر۔

(الف) رسولؐ خدا پر دو اعتراض:

(۱) چوں کہ محمدؐ ایسے انسان ہیں جیسے دیگر انسان ہوا کرتے ہیں لہٰذا محمدؐ رسول نہیں ہو سکتے۔

(۲) چوں کہ محمدؐ معجزہ نہیں دکھاتے ہیں لہٰذا رسول نہیں سکتے۔

(ب) قرآن پر دو اعتراض :۔

(۱) قرآن نازل وازل کچھ نہیں ہوا، محمدؐ کی من گڑھت ہے۔

(۲) پہلے خدا کی بھیجی ہوئی کتابیں موجود ہیں لہٰذا اب ایک اور کتاب نازل ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

(۵) پرانے رسولوں کے قصے:۔

ان لیکچروں کا مضمون بہت چھوٹا سا ہے ان مضمونوں کو ہر لیکچر میں دہرایا گیا ہے۔

کہیں لوگوں نے سوالات بھی کیے ہیں ۔ خاص معاملات بھی آپڑے ہیں ۔ سوالات کے جوابات اور معاملوں کے متعلق حکم بھی کیے ہیں۔

اوپر بیان کیے ہوئے موضوع قرآن کو مدنظر رکھ کر قرآن کو پڑھیے اور پھر دیکھیے کہ قرآن سمجھ میں آتا ہے یا نہیں ۔ قرآن میں ایک ہی بات کو بار بار دہرایا گیا ہے ۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ کسی طرح سے تو بات لوگوں کے دماغوں میں سمائے ۔ اگر ایک لفظوں میں بات سمجھ میں نہیں آئی تو اسے دوسرے لفظوں میں بیان کیا گیا' اگر ایک طریقہ سے بات سمجھ میں نہیں آئی تو اسے دوسرے طریقہ سے بیان کیا گیا اگر اصول سمجھ میں نہ آیا تو مثال دی گئی ۔ ان اصولوں کو قصوں کی شکل میں بیان کیا گیا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن جاہل سے جاہل اور عالم سے عالم دونوں کے لیے ہے۔

دوسرا اصول قرآن کو بلکہ ہر کتاب کو سمجھنے کا اس کے معنوں پر غور کرنا ہے۔

ان فی ذالک لذکری لمن کان له قلب او القی السمع و هو شهید

یہ اس شخص کے لئے جو عقل رکھتا ہے یا کان دھر کے سنتا ہے اور دل سے حاضر ہے' ایک تذکر اور نصیحت ہے۔ (۱۶)

افلا یتدبرون القرآن ام علٰی قلوب اقفالها۔

کیا لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا پھر ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔ (۱۷)

تیسری بات: مترجم قرآن میں بریکٹ ( ) کے اندر جو لکھا جاتا ہے' ترجمہ کرنے والا اپنی طرف سے بڑھاتا ہے ۔ قرآن میں ایسے کوئی لفظ نہیں ہوتے۔

چوتھی بات: اگر قرآن کے معنی قرآن ہی سے سمجھ میں آجائیں تو تفاسیر وغیرہ سب بیکار ہیں۔

پانچویں بات: آیتوں کے شان نزول کے جھگڑے بھی عام طور سے بیکار ہیں کیوں کہ ہر فرقہ نے شان نزول اپنے مطلب کے موافق گڑھ رکھی ہے ۔ آیت میں اصول جب کبھی ایسا ہوگا اس پر چسپاں ہوں گے۔ یہ بات بھی کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتی کہ بے جوڑ آیتیں نازل ہوا کرتی تھیں۔ عام طور سے سورے نازل ہوتے تھے۔

یہ تھیں وہ اصولی باتیں جن سے نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ قرآن بالکل آسان چیز ہے اور اس کے لیے تفسیر کی ضرورت نہیں ہے ۔ مگر کیا یہ نتیجہ درست ہے ؟ اس کے لیے ایک ایک کرکے مذکورہ پہلوؤں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

قرن اول کے مسلمانوں کا عمل بالقرآن

کیا یہ سچ ہے کہ قرن اول کے مسلمانوں نے قرآن پر عمل کرکے انتہائی ترقی حاصل کی ؟

شخصیتوں سے مرعوب ہوئے بغیر دل کی لگتی کہئے ۔ قرآن کو سامنے رکھ کر بتایئے کہ قرآن میں کیا کہیں اس کا حکم ہے کہ تلوار لے کر آس پاس کے ممالک پر فوج کشی کرو اور لوگوں کو زبردستی اسلام لانے پر مجبور کرو ۔ اگر یہ سب عمل بالقرآن ہے تو غیر مسلمین کا یہ اعتراض بالکل درست ہو گا کہ اسلام خونریزی کا حامی ہے اور تلوار کے زور سے اپنی اشاعت کراتا ہے۔ کیا اپنے کسی دعویٰ کی حمایت کے لئے اسلام کے دامن کو داغ دار بنا دینا گوارا کیا جا سکتا ہے ؟

کیا قیصرو کسریٰ کے نظام حکومت کا رواج تعلیم قرآن کے مطابق تھا؟

کیا سرمایہ داری اور سرمایہ پرستی کا رواج جس کے خلاف جناب ابو ذرغفاری احتجاج کرنے اٹھے تھے عمل بالقرآن کا نتیجہ تھا؟

کیا دمشق اور بغداد کی جہانداریاں صاف ستھرے اور سادے اسلام اور تعلیم قرآن کے موافق تھیں؟

کیا عیش وعشرت کی گرم بازاریاں اور توبہ شکن حلقوں میں "مقدس" درباروں کی آتش آشامیاں قرآن کی رو سے بالکل مناسب تھیں؟

کیا جمل اور صفین کی میدان داریاں' خود مسلمانوں کے گلوں پر مسلمانوں کی شمشیر آزمائیاں اور آپس کی فتنہ سامانیاں تعلیم قرآن پر عمل کا مظاہرہ تھیں؟

حقیقتوں پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا ۔ الفاظ میں اتنی طاقت ہرگز نہیں کہ وہ انسانی حافظہ سے واقعات کی یاد فراموش کرسکیں۔

کیا کربلا کا تاریخی واقعہ کسی عبارت آرائی کے زور سے مٹ سکتا ہے؟ اور کیا جنگ حرہ اور مدینہ و مکہ کی تباہی کی شرمناک داستانیں فنا ہو جائیں گی؟

ممکن ہے کہ "خیر القرون" کو سراہنے والے مسلمان آج ناواقف غیر مسلموں کے سامنے پرانے زمانہ کے مسلمانوں کو قرآن کا جامہ پہنا دیں اور ان کی ناواقفیت سے فائدہ اٹھالیں مگر تاریخ کی دوربین سے اس زمانہ کے حالات کا مطالعہ کرنے والے "گھر کے بھیدی" مسلمان بھی کیا اس فریب خیال کا شکار بن سکیں گے؟

بڑے نیک طینت ' بڑے پاک باطن ریاض آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

گنتی کے آدمیوں کو چھوڑ کر جن کی بدولت خواہ اس زمانہ کو "خیر القرون" کہہ لیجئے جہاں تک عام حالات کا تعلق ہے 'اتنی تاریکی نظر آرہی ہے کہ اس زمانہ کے مسلمانوں کا "دور جہالت" اس کے سامنے مات ہے۔ صرف اس لیے کہ عام طور پر نہ مسلمانوں نے قرآن میں تدبر کیا' نہ قرآن کے معانی کی تشریح میں حقیقی رہنماؤں کا دامن تھاما' نہ ان عملی مثالوں پر نظر ڈالی جنھوں نے اپنی سیرت کو قرآنی تعلیمات کی تصویر بنا رکھا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ قرآن کو اپنی ناقص سمجھ' ذاتی خیالات اور نفسانی خواہشوں کا جولان گاہ بنالیا۔ اسی کا نتیجہ تھی مسلمانوں کی وہ ابتری' پراگندگی اور پریشانی جس کا خمیازہ آج تک بھگتنا پڑ رہا ہے۔

اب آج بھی مسلمانوں کو اس پردہ میں کہ "قرآن مشکل نہیں' آسان ہے۔" اسی کی تلقین کی جائے تو یہ کوئی نئی بات نہ ہوگی۔ مگر یاد رکھیے کہ اس سے مسلمانوں کی حالت میں کوئی ترقی یا اصلاح نہیں ہوسکتی۔ بے شک اپنی من مانی باتوں کو ازروئے قرآن جاہلوں کے ذہن نشین کرنے میں آسانی ہوگی۔

وہ ناواقف بارہے کا سید جو عربی کے سر پیر سے واقف نہیں یہ سن کر خوش ہوجاتا ہے کہ قرآن میں میرے وطن کا نام بڑی مہربانی سے "برادر" کی لفظ کے ساتھ موجود ہے۔

"یومئذ تحدث اخ بارھا"

اس بیچارے کو کیا خبر کہ یہ "اخ" برادر کے معنی میں نہیں اور وہ "بارھا" شہر کا نام نہیں ہے بلکہ "اخبار" ایک لفظ ہے جو خبر کی جمع ہے اور وہ "ھا" کی طرف مضاف ہے جو مونث کی ضمیر ہے مگر یہ باتیں اس کے سامنے کہی جائیں تو وہ سمجھے گا عالموں کی الٹی سیدھی تاویل ہے اور لہک لہک کر بار بار علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھے گا۔

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر　　　تاویل سے قرآں کو بناسکتے ہیں پاژند

اس کے نزدیک جمع اور مضاف اور مونث کی ضمیر کی بحثیں اتنی دشوار ہیں کہ "پاژند" معلوم ہوتی ہیں اسے تو آسانی اسی میں معلوم ہو گی کہ وہ کہے "اخ بارھا" یعنی "بارہا" جو سادات کی بستی ہے اسے اللہ سبحانہ نے اپنے بھائی کے خطاب سے نوازا ہے۔

یا قرآن میں انگریزی زبان کی لفظ تلاش کرنے والا خوش ہوجائے' یہ آیت سن کر:

ولم یکن لہ کف - وا" احد"

وہ اسے یوں سمجھتا ہے کہ ولم یکن لہ کف one احد سمجھتا ہے کہ ون انگریزی کی لفظ ہے۔

اب اگر کسی بیچارے عالم کی شامت آئی اور اس نے کہا' یہ "ون" انگریزی کی لفظ نہیں ہے ۔ یہ تو کھنوکی لفظ کا جز ہے اور تنوین سے نون کا تلفظ پیدا ہوا ہے جو اعرابی حرکت ہے ۔ کوئی مستقل لفظ نہیں ہے تو وہ فوراً" کہے گا۔

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر تاویل سے قرآں کو بنا سکتے پاژند

اس کے نزدیک یہ عالمانہ تشریح' تاویل اور پاژند ہے اور سیدھی سادی بات قرآن سے نکلتی ہے وہ وہی کہ ون بمعنی انگریزی ہے اور اس کی تفسیر ہے لفظ "احد" اور اس طرح اس کے نزدیک ثابت ہوجاتاہے کہ قرآن خوداپنا مفسر ہے اور پھر کہتا ہے کہ قرآن کے معنی قرآن ہی سے سمجھ میں آجائیں تو تفاسیروغیرہ سب بے کار ہیں۔

بتایئے اس " ابو الہوسی " کا کیا علاج کیا جائے اور اب " شیوہ اہل نظر کی آبرو کہاں رہ سکتی ہے۔

یہ بھی دیکھ لیجئے کہ قرآن کے عجیب وغریب معنی اور تفسیریں جو لکھی گئیں' عجیب وغریب مسئلے جو گڑھے گئے' قرآنی آیتوں کو وہ معنی پہنائے گئے جو کسی صورت سے پیدا نہیں ہوسکتے تھے ۔ یہ سب اسی دور کی پیداوار ہیں جسے " قرن اول " کہا جاتا ہے اور جس کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے قرآن پر عمل کرکے انتہائی ترقیاں حاصل کیں۔

بعد کے مسلمان تو سب زلہ خوار ہیں انہی اگلے زمانہ کے مفسروں کے اور انہی کی تفسیروں میں سے کسی ایک کو لے کر اس پر اپنے استدلال کی عمارت کھڑی کرتے ہیں مگر وہ مفسرین جن کی تفسیروں نے عجیب وغریب معانی کی بنیاد رکھی اور عجیب وغریب مسائل کی داغ بیل ڈالی ۔ وہ وہی صدر اسلام کے مفسرین ہیں جیسے مجاہد 'ضحاک سدی 'کلبی 'مقاتل وغیرہ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے اقوال سے کتب تفاسیر بھرے پڑے ہیں۔

پھر یقین جانئے کہ عجیب وغریب معانی کی ایجاد اور تاویلوں کی تراش وخراش سب اسی اصول کے ماتحت تھی کہ قرآن آسان ہے اور ہر شخص اپنی سمجھ سے اس کے معنی بتا سکتا ہے یہی وہ خیال تھا جو جمہور اسلام میں عام طور پر پھیلایا گیا اور اسی کے ماتحت قرآن کی آیات بازیچہ اطفال بنا لی گئی۔

اس کے برخلاف اہل بیت رسول کا یہ اعلان تھا کہ قرآن کے معنی ہر شخص نہیں سمجھ سکتا ۔ اس کے لیے بڑی معلومات کی ضرورت ہے ان کا اعلان یہ تھا کہ قرآن فہمی آسان نہیں' بہت مشکل ہے اور اس کے لیے خاص رہنمایان دین کے ساتھ جن کو رسول ﷺ کی تشریحات براہ راست پہنچی ہیں' تمسک کی ضرورت ہے۔

جمہور اسلام نے آئمہ اہل بیتؑ کی اس تعلیم کو نہ پہلے کبھی مانا اور نہ بعد میں اب تسلیم کرتے ہیں ۔ پھر اس ترقی و تنزل کو جو جمہور مسلمین کے ساتھ متعلق ہے اسے عقیدہ سے کس طرح وابستہ کیا جاسکتا ہے؟

مسلمانوں نے کسی وقت انتہائی ترقی کی اور اب مسلمان دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل ہو گئے۔ یہ ممکن ہے بجائے خود حقیقت ہو مگر اس کا قرآن فہمی کے کسی نظریئے سے دور کا بھی رشتہ نہیں ہے۔ اس کا سبب اگر کچھ ہوسکتا ہے تو یہ کہ مسلمان شروع شروع میں اس سادہ اور مساویانہ نظام زندگی پر بر بنائے عادت چلتے رہے جس کو پیغمبر اسلام نے رائج کیا تھا اور فطرت کے اس پیغام کو لے کر آگے بڑھے جو دلوں پر قبضہ کرنے کی طاقت رکھتا تھا' اس لیے وہ فتوحات حاصل ہوئے جنھیں آج ان کی بہت ۔ بڑی ترقی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے لیکن یہی ترقی تنزلی کا پیش خیمہ بن گئی ۔ اس لئے کہ ان میں ملوکیت کا دور دورہ ہوگیا اور سلطنت وکامرانی نے عیش وعشرت کا عمل دخل کردیا ۔ کچھ دن تک دلوں پر بیٹھی ہوی دھاک نے قوموں کا سر اٹھنے نہ دیا لیکن جب ان کی عملی کمزوریاں طشت ازبام ہوئیں اور ان کے راز ہائے درون خلوت' افسانہ ہر انجمن بن گئے تو سرگرم عمل قوموں کی جرات بڑھی ۔ ان کی آپس کی رقابتوں اور داخلی کمزوریوں نے دشمن کی امداد کی اور آخر وہ ہوا جس کی بنا پر آج کہا جارہا ہے کہ مسلمان سب سے زیادہ ذلیل ہیں۔

اگر ان کی ترقی قرآن کے سچے اصول کو سمجھ کر انہی حدود وقواعد کے اندر ہوتی جو قرآن کے تعلیم کردہ ہیں تو وہ کبھی تنزلی سے تبدیل نہ ہوتی۔

وہ جماعت جو اقلیت میں تھی جس کے سرگروہ اہل بیت معصومین تھے ۔ انھوں نے قرآن کے بارے میں مطلق العنانی اور غیر مشروط آزاد روی کی اجازت نہیں دی بلکہ اس کے لیے حدود وقواعد مقرر کیے اور ان کے تحت میں تدبر فی القرآن سے کام لیا ان کے مختصر گروہ نے ہزاروں مادی شکنجوں کے اندر گرفتار رہ کر بڑے روحانی فتوحات کیے اور دنیا میں کوئی جماعت ایسی نہیں بتلائی جاسکتی جس نے اتنے مشکلات اور مصائب کے باوجود اس طرح اپنی ہستی کو برقرار رکھا ہو اور اپنے دائرہ میں توسیع جاری رکھی ہو' یہاں تک کہ اس وقت دنیا کے ہر گوشہ میں کچھ نہ کچھ افراد اس اصول مسلک اور طریقہ کے موجود ہیں۔

اسے چاہے کوئی ترقی سمجھے یا تنزل' بہرحال وہ ایک محدود اور معتدل سطح پر ہمیشہ رہے ۔ نہ دوڑ کر زیادہ چلے اور نہ گرے مگر رہے یہ ہمیشہ اسی راستے پر کہ قرآن فہمی کوئی آسان بات نہیں' مشکل

ہے اور اس لیے انھوں نے تنہا قرآن کو اپنی رہنمائی کے لیے کافی بھی نہیں سمجھا بلکہ اہل بیتؑ کے دامن سے تمسک ضروری خیال کیا۔

اب اگر ان میں روحانی حیثیت سے کچھ تنزل نظر آرہا ہو تو اس کا سبب یہ سمجھنا چاہیے کہ ان میں بھی اب ایسے لوگ پیدا ہونے لگے ہیں جو " ہمرنگ جماعت "بن کر یہ سمجھنے لگے ہیں ۔ قرآن کا سمجھنا آسان ہے اور ہر شخص بذات خود اس سے نتیجہ نکال سکتا ہے اور اس کے لیے کسی غیر کی رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے ۔ دوستو یہ خیال ہماری قومی زندگی کے لیے راس نہیں ہے۔

یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ رسولؐ کی رحلت کے ڈیڑھ سو سال بعد تک اسلام میں کوئی فرقہ نہ تھا۔

غالباً اس ادعاء کے موقع پر پیش نظر ایران یا پنجاب اور حیدر آباد کے بابی' بہائی قادیانی' چکڑالوی اور مہدوی فرقے یا اپنے ہندوستان کے بریلوی اور دیوبندی فرقے ہیں جو انہی آخری دنوں کی پیداوار ہیں ورنہ جہاں تک اسلام کے ان فرقوں پر نظر ڈالی جاتی ہے جن کے عقائد کتابوں میں مدون ہیں اور جن کے اختلافی مسائل پر بحث سے علم کلام کی تشکیل ہوئی ہے ۔ وہ تمام فرقے رسول ﷺ کی رحلت کے ڈیڑھ سو برس کے اندر ہی پیدا ہوئے ہیں۔

اس کے علاوہ اگر صدر اسلام کے واقعات پر نظر ڈالیے تو ان سے بھی معلوم ہوگا کہ اس زمانہ میں بھی قرآن کی مختلف تاویلیں کی جاتی تھیں اور اس کے معانی میں اکثر دشواری محسوس کی جاتی تھی پھر بتائیے کہ کون سا وہ دور ہو سکتا ہے جب قرآن کے معانی ومطالب بالکل متفقہ حیثیت رکھتے تھے اور ان میں کوئی اختلاف نہ تھا۔

بے شک قرآن کے مشکل ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ بالکل " چیستان " ہے یعنی اس سے کوئی کچھ سمجھ ہی نہیں سکتا۔

یقیناً اہل زبان اس کے ظاہری معانی سے بہرہ اندوز ہوئے اور اسی کا اثر تھا کہ مشرکین دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور انھوں نے اس کے غیر معمولی اعجاز کا اندازہ کیا مگر غیر عربی داں طبقہ کے لیے یہ بات بھی مفقود ہے ۔ ان کے لیے قرآن کو آسان کہہ دینے کے تو کوئی معنی ہی نہیں ہیں۔

(۲) بلاغت کا مفہوم

کسی کتاب کی خوبی یہ ہے کہ وہ ایسی صاف اور سادہ زبان میں ہو کہ پڑھنے والا لکھنے والے کے مطلب کو سمجھ سکے۔

سوال یہ ہے کہ پڑھنے والا کون ؟ ہر پڑھنے والا خواہ وہ زبان داں ہو یا غیر زبان داں سمجھ دار ہو یا ناسمجھ ؟ حاضر الذہن ہو یا پریشان دماغ؟

اگر بلاغت کا معیار یہ ہے اور کسی کتاب کی خوبی یہی ہے تو عالم امکان میں کوئی کتاب بلکہ کسی متکلم کا ایک جملہ اس معیار پر ٹھیک نہیں اترتا۔

جب تک دنیا میں زبانیں مختلف ہیں' جب تک دل دماغ کی طاقتیں جداگانہ ہیں' جب تک سننے والوں کی کیفیتوں میں اختلاف ہے اس وقت تک تو یہ ناممکن ہے کہ کسی کلام سے ہر پڑھنے والا پورا فائدہ اٹھا سکے اس لیے کم از کم آپ کو قید تو لگانہ ہی پڑے گی کہ جس زبان میں وہ کلام ہے' اس زبان کے واقف کار اس کلام کو سمجھ سکیں اور اس قید کے لگانے کی وجہ سے ہی قرآن کی آسانی سے غیر عربی داں طبقہ کی محرومی ظاہر ہے۔

خود ایک زبان میں مختلف مقامات کے محاورں میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ ایک کلام سب کے لیے مساوی نہیں ہوسکتا مختلف شہروں کی زبان جدا' شہر اور دیہات کی زبان بالکل الگ الگ' بلند اور سفید پوش طبقہ اور بازاری لوگوں کی زبان علیحدہ اور مردوں'عورتوں کی زبان مختلف ہوتی ہے ۔ اس لیے زبان کے اکثر فقرے ایسے ہوں گے جو کسی کے لحاظ سے آسان اور کسی کے لحاظ سے مشکل ہوں۔ نتیجہ صاف ہے کہ سب کے لیے ان کی آسانی قائم نہیں رہ سکتی۔ اب میں نہیں سمجھ سکتا کہ بلاغت کے مذکورہ معیار پر کون سا وہ کلام ہوگا جو بلیغ کہا جا سکے؟

کہا جاسکتا ہے کہ بلیغ کلام وہ ہے جو مخصوص مخاطبین کے لحاظ سے جن کو براہ راست متوجہ کرکے وہ کلام کیا جارہا ہے ' دشوار گزار نہ ہو مگر اس صورت میں یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ہر شخص کے لیے آسان ہی ہوگا اور کسی کو اس کے سمجھنے کے لیے شرح اور تفسیر کی ضرورت نہ ہوگی۔

پھر قرآن کی اگر وہ حیثیت ہے جیسا کہ معترض نے کہا کہ وہ لیکچروں کا مجموعہ اور ان لیکچروں کے ضمن میں جو خاص سوالات ہوئے ہیں' ان کا جواب بھی ہے تو بالکل ظاہر ہے کہ لیکچر کے ماحول' حاضر الوقت اشخاص کے معیار فہم اور سائلین کی ذہنیت کا لحاظ ضروری ہے۔ یہی بلاغت کا حقیقی تقاضا ہے اس سے عمومی آسانی کا نتیجہ کہیں برآمد ہوسکتا ہے؟

اس پر بھی غور کر لیجئے کہ زبان میں زمانہ کے امتداد سے کتنے انقلابات ہو جاتے ہیں۔ قرآن کی تنزیل کو ساڑھے تیرہ سو برس ہوئے ہیں' غیر ممکن ہے کہ اس مدت میں تمام محاورات اپنی اصلی حالت پر باقی رہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کے خالص عرب اہل زبان بھی قرآن کے معانی کو صرف اپنی

زبان دانی کے بھروسے پر نہیں سمجھ سکتے بلکہ انہیں بھی قدیم محاورات عرب کے تتبع' قدیم ذخیرہ ادب پر عبور اور آیات و احادیث کے مختلف استعمالات میں غور و خوض کی ضرورت ہے اور اس لحاظ سے قرآن ان کے لیے بھی بالکل آسان نہیں ہے۔

اس کے علاوہ جہاں تک فصاحت اور بلاغت کا تعلق ہے وہ الفاظ کے لغوی معنی اور کلام کے عرفی مفاہیم ہوسکتے ہیں لیکن جو کسی خاص شعبہ کے اصطلاحات ہوتے ہیں وہ بہرحال اس شعبہ کے ماہرین کی تشریح پر موقوف ہوں گے۔

اس صورت میں کیوں کر کہا جاسکے گا کہ قرآن بالکل آسان ہے' اور ہر شخص اسے سمجھ سکتا ہے۔ پھر اب غور کیجئے کہ کلام کا مشکل ہونا جو بلاغت کے خلاف ہے اور جس کے لحاظ سے کلام آسان ہونا چاہئے وہ کیا ہے؟

اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ کلام میں عام اصول محاورہ کے خلاف کوئی ایسا الجھاؤ ہو جس کی وجہ سے اصول محاورہ سے واقف اہل زبان اس کے معنی کو نہ سمجھ سکیں' خواہ وہ الجھاؤ ترکیب نحوی کے لحاظ سے ہو۔ اس کو اصطلاحاً" تعقید لفظی کہتے ہیں یا بعید از ذہن استعمارات و کنایات کے استعمال سے ہو اس کو تعقید معنوی کہتے ہیں یا الفاظ ایسے صرف کیے گئے ہوں جن کے اس مفہوم کے لیے جو متکلم نے مراد لیا ہے۔ عام طور پر فصحائے اہل زبان کچھ دوسرے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور ان الفاظ سے وہ واقف نہیں ہیں اس کو "غرابت" کہتے ہیں۔

لیکن اگر کلام بجائے خود اصول محاورہ کے مطابق ہے اور انہی الفاظ پر مشتمل ہے جو اس کے دور ورود میں فصحاء کی زبانوں پر چڑھے ہوئے تھے مگر اب ہمارے لیے مشکل ہے اس وجہ سے کہ ہم اس زبان سے' اس دور کی زبان کے خصوصیات سے ناواقف ہوگئے ہیں تو اس طرح مشکل ہونا ہرگز کلام کا عیب نہ ہوگا بلکہ ہمارا نقص ہوگا کہ ہم اس کے سمجھنے کے لائق نہیں ہیں۔

اس کے بعد یہ دیکھیے' ایک ہوتے ہیں کلام کے لفظی معنی' یہ تو ایک کلام سے جو کہ سلیس زبان میں ہے ہر زبان داں جو ان محاورات سے واقف ہو سمجھ لے گا اور اگر نہ سمجھے تو خیر مان لیجئے کہ کلام کا نقص ہے لیکن ایک ہوتے ہیں وہ مطلب جو لفظی معانی کی تہوں میں پوشیدہ ہوتے ہیں جن کا نتیجہ یہ ہے کہ جتنا غور کیا جائے اتنے نتائج اور حقائق کلام سے زیادہ منکشف ہوتے جائیں۔ یہ وہ چیز ہے جو متکلم کی بلندی اور قابلیت کے لحاظ سے گہری ہوتی چلی جاتی ہے اور کلام کے اس حیثیت سے سمجھنے کے لحاظ سے انسانی جماعت کا مجمع اتنا ہی چھٹتا جاتا ہے جتنے بلند متکلم کا وہ کلام ہے۔

اب اگر یہ صحیح ہے کہ قرآن ایک غیر معمولی درجہ کا کلام ہے تو ضرور اس میں یہ بلندی موجود ہوگی اور یقیناً" انسانی دماغ کی ایک بلند سطح ہی وہ ہوگی جو اس کے معانی و نکات کا اچھی طرح ادراک کرسکے۔

اگر اس میں یہ بات نہیں ہے اور وہ بالکل ہی سطحی باتوں پر مشتمل ہے جن کو ہر معمولی انسان پوری طرح سمجھ لیتا ہے اور اس کے آگے اس میں کچھ نہیں ہے تو یہ آسانی یقیناً" اس کا نقص ہے۔

(۳) قرآن سے ثبوت

اب خود قرآن سے پوچھئے کہ وہ کیا کہتا ہے؟ اپنے کو آسان بتاتا ہے یا مشکل؟ اس کے لیے ذیل کی آیات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ متعدد آیات میں رسول" کے فرائض میں تلاوت آیات کے ساتھ تعلیم کتاب کو قرار دیا گیا ہے' ملاحظہ ہو۔

ربنا وابعث فیهم رسولا منهم یتلوا علیهم ایاتک یعلمهم الکتاب و الحکمة

پروردگارا! ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات سنائے' اس کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔ (۱۸)

یتلو علیکم ایاتنا و یزکیکم و یعلمکم الکتاب والحکمة

ہماری آیات تمہارے لئے تلاوت کرے اور تمہاری پرورش و تربیت کرے اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔ (۱۹)

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلو علیهم ایاته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب والحکمة

وہ' وہ ہے جس نے امیین میں سے رسول مبعوث کیا جو انہی میں سے ہے وہ ان پر قرآن کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ (۲۰)

ان آیات سے ظاہر ہے کہ رسول کا کام تھا آیات کتاب کو پڑھ کر سنانا (یہ کام الفاظ سے متعلق ہے) اور اس کتاب کی تعلیم دینا (یہ معانی سے متعلق ہے) اگر قرآن آسان ہوتا' اس طرح کہ ہر شخص اس سے خود ہی سب کچھ سمجھ لیتا تو تعلیم کی ضرورت نہ تھی۔

هوالذی انزل علیک الکٰتب منه ایات محکمات هن ام الکٰتب و اخر

متشابهات ، فاما الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاویله ، وما یعلم تاویله الا اللّٰه والراسخون فی العلم یقولون امنا به کل من عند ربنا و ما یذکر الا اولوالالباب ○ (۲۱)

اس نے آپ ﷺ پر کتاب اتاری جس میں کچھ تو کھلی ہوئی آیتیں ہیں جو "ام الکتاب" ہیں اور کچھ "متشابہ" آیتیں ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ پیروی کرتے ہیں ان ہی اجزاء کی جو متشابہ ہیں فتنہ پردازی اور تاویل سازی کے لئے' حالانکہ نہیں جانتا اس کی تاویل کو مگر خدا اور "**راسخین فی العلم**"۔ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے ہیں سب ہمارے پروردگار کی جانب سے ہے اور نہیں اس سے اثر لیتے مگر وہ لوگ جو سمجھدار ہوں۔

اب آپ دیکھیے کہ قرآن خود بتلا رہا ہے کہ اس میں دو قسم کی آیتیں ہیں' کچھ آسان اور کچھ مشکل اور یہ کہ مشکل آیتوں کی اصلی تاویل سب نہیں جانتے بلکہ اس کے جاننے والے مخصوص ہیں۔ میں نے ترجمہ میں "ام الکتاب" اور "متشابہ" کی اصلی لفظوں کو اس لئے لکھ دیا کہ قرآن کو آسان کہنے والے خود ہی ان کے معنی سمجھ لیں۔ تفسیر کی کیا ضرورت؟

کتاب انزلناه الیک مبارک لیدبروا ایاته و لیتذکر اولوالالباب

یہ وہ کتاب ہے جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے۔ بابرکت تاکہ یہ لوگ اس کے آیات میں غور کریں اور تاکہ صاحبان عقل اس سے اثر قبول کریں۔ (۲۲)

جو شے بالکل کھلی ہوئی اور آسان ہو' اس کے لئے غور کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نیز صاحبان عقل و فہم سے مخصوص کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بالکل سطحی مطالب پر مشتمل نہیں ہے۔

افلا یتدبرون القران ام علیٰ قلوب اقفالها

تو وہ کیا قرآن میں غور نہیں کرتے؟ کیا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔ (۲۳)

اس آیت میں لوگوں کا شکوہ کیا گیا ہے اگر قرآن بالکل سطحی ہوتا تو غور و خوض کی ضرورت نہ ہوتی۔

ان فی ذالک لذکریٰ لمن کان له قلب اوا لقی السمع وهو شهید

اس میں یاد دہانی ہے اس کے لئے جو دل و دماغ رکھتا ہو یا کان لگائے اس حالت میں کہ حاضر الذہن ہو۔ (۲۴)

جو چیز بالکل سطحی اور آسان ہوتی ہے اس کے لئے ان شروط کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر شخص

خود ہی آسانی سے سمجھ لیتا ہے۔

اب جو آیتیں بتلائیں کہ قرآن آسان ہے' ان کے معنی وہی سمجھنا چاہیں جو ہم نے "بلاغت" کی بحث میں اس کے پہلے لکھے ہیں یعنی اس کلام میں عام اصول محاورہ کے خلاف کوئی ایسا الجھاؤ نہیں ہے جس کی وجہ سے اصول محاورہ سے واقف اہل زبان اس کا مطلب نہ سمجھ سکیں اور یہ کہ اس کی زبان آسان ہے نہ یہ کہ اس کے مطالب بالکل سطحی ہیں جن کو ہر شخص بغیر کسی غور و تامل یا تعلیم و تعلم کے سمجھ سکتا ہے۔ اب ان آیات پر نگاہ ڈال لیجئے۔ کچھ وہ آیتیں ہیں جن میں قرآن کے (مفصل) ہونے کا ذکر کیا گیا ہے مگر اس کی تفصیل میں خود قید موجود ہے۔ لقوم یعلمون ملاحظہ ہو آیت

حم ○ تنزیل من الرحمٰن الرحیم ہ کتٰب فصلت ایاتہ قراناً عربیا لقوم یعلمون

حم۔ یہ (کتاب) ہے جو خداوند رحمٰن و رحیم کی جانب سے نازل ہوتی ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیات جدا جدا (واضح) کر دی گئیں۔ قرآن عربی زبان میں ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں۔ (۲۵)

دوسری آیت

و نفصل الایت لقوم یعلمون ہ

اور ہم اپنی آیات کی تشریح ایسے لوگوں کے لئے کرتے ہیں جو جانتے ہیں۔ (۲۶)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کا مفصل ہونا ہر شخص اور ہر جماعت کے لحاظ سے نہیں ہے پھر ان آیات سے یہ نتیجہ کیوں کر نکالا جا سکتا ہے کہ قرآن ہر شخص کے لئے آسان ہے اور اہل علم کی تشریح و تفسیر کی ضرورت نہیں ہے۔

کچھ وہ آیات ہیں جن میں قرآن کی زبان کو "مبین" کے لفظ سے یاد کیا ہے مگر ان سے جو نتیجہ نکلتا ہے' وہ خود قرآن کو آسان کہنے والے کی زبان سے سن لیجئے۔

قرآن عربی زبان میں اس قوم کے لئے جو عربی جانتی تھیں یعنی جس کی مادری زبان عربی تھی' کھول کر بیان کر دیا گیا ہے اور ایسی زبان میں قرآن نہیں جس کو عرب نہ سمجھ سکتے تھے۔

اب بتائیے کہ اس آسانی سے غیر عربی داں طبقہ کو بلکہ ان کو جن کی مادری زبان عربی نہیں ہے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ وہ بہرحال اہل زبان کی تشریح و تفصیل کے محتاج ہوں گے اور تفسیر کی ضرورت باقی رہے گی۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جو ایک زبان میں زیادہ آسان ہو گا' وہی دوسری زبان میں زیادہ مشکل ثابت ہو گا۔

بات یہ ہے کہ زبان کی آسانی روز مرہ کے محاورات کے استعمال سے پیدا ہوتی ہے اور محاورے ہی وہ ہوتے ہیں جن کا ترجمہ بعض اوقات مشکل اور بسا اوقات غیر ممکن ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے اگر اپنی زبان میں مشکل عبارت ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس میں استعارے کنائے صرف ہوئے ہیں یا دقیق مطالب ہیں اور یہ دونوں چیزیں وہ ہیں جو دوسری زبان میں منتقل ہو سکتی ہیں۔

پھر اگر قرآن کو عربی زبان والوں کے لئے آسان کہا بھی گیا ہے تو اس سے یہ نتیجہ کیوں کر نکل سکتا ہے کہ وہ سب کے لئے آسان ہے اور مطلب تو یہی تھا کہ ہمارے اردو دان طبقہ کو آسانی پیدا ہو اور انہیں علماء سے دریافت کرنے اور تفسیر و تشریح کی جستجو کی ضرورت نہ ہو مگر یہ مطلب قرآن کی آیتوں سے کسی طرح نہیں نکلتا۔

قرآن کا مطالعہ

ہم خود قرآن کو پڑھیں اور دیکھیں کہ سمجھ میں آتا ہے یا نہیں۔ مجھے نہیں معلوم قرآن کو پڑھ کر دیکھنے کا کیا مطلب ہے؟ اصل الفاظ قرآن کو دیکھ کر؟ تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں سمجھنا عربی دانی پر موقوف ہے اور غیر عربی دان ہرگز نہیں سمجھیں گے یا یہ مطلب ہے کہ ترجمہ کو پڑھ کر؟ بظاہر مطلب یہی معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس کے ثبوت میں بہت سا وقت قرآن کی آیتوں کے ترجمے پیش کرنے پر صرف کیا گیا ہے۔ مگر یاد رکھئے کہ یہ ترجمے سب عربی دان لوگوں کے کئے ہوئے ہیں۔ اگر یہ سمجھ میں آ جاتے ہیں تو اس سے یہ ثابت ہو گا کہ یہ ترجمے آسان ہیں لیکن یہ نہیں ثابت ہو گا کہ قرآن بالکل آسان ہے۔

آسان ہونے کے ثبوت میں اپنی سمجھ کا مظاہرہ اس طرح کرنا کہ قرآن کے معنی لیکچر کے ہیں۔ (حالانکہ یہی غلط ہے۔ قرآن کے لفظی معنی "لیکچر" کے نہیں بلکہ "ریڈنگ" کے ہیں۔) اور ان لیکچروں کا موضوع یہ ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو' قیامت پر ایمان لاؤ وغیرہ' یہ سب باتیں بالکل آسان ہیں لہٰذا قرآن آسان ہے۔ میرے خیال میں اگر آسان ہونے کا یہی معیار ہے کہ اس طرح کا ایک خلاصہ آدمی سمجھ لے تو دنیا کی کوئی کتاب مشکل نہیں ہے۔ بڑی سے بڑی فلسفہ کی دقیق کتاب آسان ثابت کی جا سکتی ہے۔ یہ کہہ کر کہ اس کا موضوع یہ ہے کہ کائنات کی حقیقت کیا ہے اور کن باتوں کے کیا اسباب ہیں اور منطق کی کتاب اس کا موضوع یہ ہے کہ کن طریقوں سے نامعلوم باتیں معلوم کی جائیں

وغیرہ وغیرہ۔ مگر کوئی کتاب جو مشکل ہوتی ہے وہ اپنے جزئیات اور خصوصی مطالب کے لحاظ سے ہوتی ہے جو اس عام موضوع کے تحت میں بیان کئے گئے ہیں۔ اس لئے قرآن کو بھی اس مجمل خلاصہ کے اعتبار سے نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ اس کے تفصیلی مضامین کے لحاظ سے دیکھئے تب آسان اور مشکل ہونے کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ قرآن کی آسانی کے ثبوت میں بہت سی آیتوں کے تراجم پیش کئے گئے ہیں مگر یاد رکھیے کہ تراجم سب تفسیر کے ماتحت ہیں یعنی جس قسم کی تفسیر کو مترجم نے قبول کیا ہے اس کے مطابق آیت کا ترجمہ کیا ہے۔ ان تراجم سے مدد لینا حقیقتاً" تفاسیر کا پابند بننا ہے۔ پھر تفسیر سے بے نیازی کا دعوی کیوں کر قبول ہو سکتا ہے۔

ترجمے صرف تحت اللفظی معنی پر مشتمل نہیں ہوا کرتے ورنہ بعض اوقات شاید ان سے کچھ بھی مطلب سمجھ نہ آئے بلکہ بریکٹ میں توضیحی الفاظ یا محذوفات کی خانہ پری کے لئے ضمیمے درج کئے جاتے ہیں۔ ان کا اقرار خود سابقہ دلائل کے ذیل میں موجود ہے کہ "مترجم قرآن میں بریکٹ ( ) کے اندر جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ ترجمہ کرنے والا اپنی طرف سے بڑھاتا ہے۔ قرآن میں ایسے کوئی لفظ نہیں ہوتے"

اس طرح کے ترجموں کو حقیقتاً" ایک مختصر تفسیر سمجھنا چاہیے پھر ان ترجموں کی مدد سے اگر قرآن آسان ہو گیا تو اس سے یہ نتیجہ کیوں کر نکلے گا کہ وہ بغیر تفسیر کی مدد کے خود آسان ہے۔ بے شک اگر قرآن کے معنی قرآن ہی سے سمجھ میں آ جائیں تو تفاسیر وغیرہ سب بیکار ہیں' مگر یہ اس وقت ہے جب کوئی شخص تنہا الفاظ قرآن سے معنی سمجھ لے لیکن اگر اس نے مترجمین کی تفسیروں سے مدد لے کر معنی سمجھے تو تفاسیر بے کار کہاں ثابت ہوئیں؟ شان نزول کو بے کار سمجھنا یہ کہہ کر کہ "عام طور سے اصول بیان کئے جاتے ہیں اور اصول شان نزول کے پابند نہیں ہوتے' بالکل غلط ہے' اکثر آیتیں بنیادی حیثیت سے شان نزول ہی سے مخصوص ہیں۔ مثلاً" قرآن میں کہا گیا۔

الیوم اکملت لکم دینکم....

آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کیا۔ (۲۷)

اب جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ آیت کس دن اتری؟ "آج" سے کیا مطلب سمجھا جائے؟ یا یہ آیت کہ:

انما ولیکم اللّٰہ و رسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلٰوۃ و یوتون الزکوۃ و ھم راکعون۔

تمھارا ولی تو صرف اللہ ہے اور اس کا رسول' اور وہ جو ایمان لائے اور نماز قائم کی اور حالت رکوع میں زکواۃ دی۔ (۲۸)

اگر خصوصیت واقعہ کو نظر انداز کر دیا جائے تو یہ عام اصول کہاں ہے کہ جو حالت رکوع میں زکوٰۃ دے۔ اس کے واسطے ولایت ضرور ثابت ہو یا یہ آیت:

علم اللّٰہ انکم کنتم تختالون انفسکم فتاب علیکم و عفا عنکم

خدا کے علم میں تھا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کرتے تھے (اور اس ممنوع کام کو تم میں سے کچھ لوگ' انجام دیتے تھے) پس خدا نے تمہاری توبہ قبول کر لی اور تمہیں بخش دیا۔ (۲۹)

آخر کس اصول کی حامل ہے؟ یہ کہنا کہ "عام طور پر سورے نازل ہوتے تھے' متفرق آیتیں نہیں اترتی تھیں' حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ چھوٹے سورے تو خیر' اکثر ایک ساتھ اترے ہوئے بھی ہیں مگر جو بڑے سورے ہیں ان میں خود آیات کا مضمون صاف بتلاتا ہے کہ وہ مختلف موقعوں پر اتری ہوئی ہیں۔ اگر سورے ایک ساتھ نازل شدہ ہوتے تو آیتوں میں ناسخ و منسوخ آیت ایک ہی سورہ میں موجود نہ ملتی' خصوصاً" اس طرح کہ ناسخ پہلے اور منسوخ بعد کو۔ نیز مکی اور مدنی آیتیں مخلوط نہ ہوتیں۔ حالانکہ موجودہ ترتیب قرآن میں یہ سب کچھ باتیں ہیں۔ اب مذکورہ بالا بیانات کی روشنی میں ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ قرآن مشکل ہے یا آسان

☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱) البقرہ' ۲ ۲) البقرہ' ۱۸۵
۳) یونس' ۵۷ ۴) آل عمران' ۳۱
۵) الاحزاب' ۲۱
۶) صحیح مسلم کتاب فضائل علی ابن ابی طالب سنن ترمذی ج۲ ص ۳۰۷۔ سنن دارمی ج۲ ص ۴۳۲۔ سند احمد بن حنبل' ج ۳ ص ۱۴ ۔ ۵ ۔ مستدرک الحاکم ج ۳ ص ۱۰۹
۷) شرح السنۃ
۸) عبدالکریم بن محمد سمعانی' ادب الاملاء والاستملاء مطبع بریل ۔عدن' ۱۹۵۲ ص ۳'۴
۹) ن مصدر ۱۰) ملا محمد عبدالصمد پشاوری' طلب الادب ص ۳۹
۱۱) یاد حسین از ابوالکلام آزاد' داستان کربلا مطبع حیدر آباد دکن ص ۲۴۲

۱۲) الاعراف ۵۲ ۱۳) فصلت، ۴

۱۴) فصلت ۴۴ ۱۵) القمر ۱۷

۱۶) ق، ۳۷ ۱۷) محمد ۲۴

۱۸) بقرہ، ۱۵۱ ۱۹) آل عمران، ۱۶۴

۲۰) الجمعہ، ۲ ۲۱) آل عمران، ۷

۲۲) ص ۲۹ ۲۳) محمد، ۲۴

۲۴) ق، ۳۷ ۲۵) فصلت ۱، ۳

۲۶) التوبہ، ۱۱۲ ۲۷) المائدہ، ۳

۲۸) المائدہ ۵۵ ۲۹) بقرہ ۱۸۷